علم کی اہمیت و نوعیت -(تعلیمات اسلامی کے تناظر میں)

ISLAMIC VIEWPOINT ON THE IMPORTANCE AND CHARACTERICS OF KNOWLEDGE

محمد ابراہیم محمدی *

ڈاکٹر ارشد منیر لغاری**

DOI: 10.6084/m9.figshare.4308821
Link: https://dx.doi.org/10.6084/m9.figshare.4308821.v1

ABSTRACT:

Education is a basic requirement of all human being which leaves them blind and stranded when absent. Allah SWT, who is our creator and sustainer, has not only provided us opportunities to seek knowledge but also told us what is beneficial to learn and what is not. Allah SWT is "العليم" (All Knowing), " الحكيم"(The Wise), ánd "الخبير" (The All-Aware). From his unlimited knowledge, He has guided the mankind about the type of knowledge that leads to hikmah, direction, and guidance. It is also important to know that Allah SWT has not only provided human beings with the guidance about what is considered to be the beneficial knowledge but has also bestowed with the faculties of learning which enable him to pursue knowledge and awareness. However, in this quest of searching for knowledge, the man goes far beyond what can be considered as the Ilm An-Nafia or the beneficial knowledge. What is happening, as a result, is that despite the countless number of sciences and branches of knowledge being pursued and untamed flow of books and articles each day, the pain and misery of human beings is still prevalent. Wars and bloodshed are still spread all-around. The corruption is still prevalent. Political and economic subjugation is still a trend at personal, national as well as international level. This all earnestly calls us to reconsider the knowledge that we are pursuing and how does it help to solve the problems of humanity. This article is an attempt to reconsider

* ریسرچ اسکالر، شعبہ تقابل ادیان و ثقافت اسلامی، سندھ یونیورسٹی جامشورہ　برقی پتا: ibrahimmuhammadi786@gmail.com
** لیکچرر ڈپارٹمینٹ آف اسلامک اسٹڈیز، غازی یونیورسٹی، ڈیرہ غازی خان　برقی پتا: amleghari@gmail.com

the concept of knowledge and education from the Islamic perspective. Islam, being a universal religion which is not only a religion but a complete code of life, provides us clear guidance on what is the beneficial knowledge and what should be our approach towards attaining it.

KEYWORDS*:* Importance of knowledge, Sources of knowledge, Sensory knowledge, Intellectual knowledge, Revelation ,Inspiration

كليدي الفاظ: اہمیت علم، ذرائع علم: حسی علم، فکری علم، وحی، الہام

تعارف:

علم فطرتاً اس قدر وسیع اور جامع ہے کہ اسلامی حکماء مثلاً امام غزالی اور فخر الدین رازی نے اس کی تعریف کے بجائے اس کے خصائص، امثال اور تجزیہ کی دعوت دی ہے۔ بہر حال علم کی یہی بات آج جدید ماہرین علم کہہ رہے ہیں۔ سادہ ترین تعریف یہ ہے کہ علم کسی شے کے ادراک کو کہتے ہیں قرآن مجید میں ایک مقام پر اسے اسماء و تصورات کی خبر و آگہی قرار دیا ہے۔

" وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاۤءَ كُلَّهَا"

قرآن میں علم کو بہت سارے معنوں میں مثلاً دلیل، حق، یقین کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے جس سے اس تصور کی وسعت آشنائی کا قائل ہونا پڑتا ہے۔

"کتاب اللہ کی رو سے علم انسانی سے مراد محض تصور ہی نہیں بلکہ اس کی تصدیق بھی اس میں شامل ہے حاصل شدہ علم کا تجزیہ کرنا، اس کو پرکھنا اور تجزیہ کرنا بلکہ اس پر عمل کرنا یہ سب چیزیں علم میں شمار ہوتی ہیں"۔ ۱

گویا علم حقیقت اور یقین کے احاطہ و ادراک کو کہتے ہیں۔

علم عطائے ربانی ہے اور خبر و آگہی اس کا تحفہ ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے کہ:

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۵ ۲

یعنی انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔ جو علم قلم سے نکل گیا وہ بہر صورت علم ہی ٹھہرا "علم بالقلم" ہاں اس کے مفید ہونے میں کلام ہو سکتا ہے علم اللہ کا نور ہے جس کی ایک تجلی عقل ہے اور بھی کئی تجلیات (Manifestations) ہیں جیسے کشف وجدان اور وحی و الہام جو علم یقینی ہے۔ یہی اعلیٰ علم ہے اور دوسرا علم کسبی ہے جس کی کئی صورتیں ہیں جیسے حسی ، (Sensory) عقلی بد (Mentally ill) اور سماعی (Hearing)۔ یہ سب علوم ہیں مگر انہیں قطعیت (Accuracy) کا درجہ حاصل نہیں ۔ انہیں علوم

ظنی (imaginary Knowledge) کہا جاتا ہے۔ سائنس بھی گمان غالب (Believed) کے درجہ میں آتا ہے۔

اسلام کے نزدیک ہر علم، علم ہے۔ بحیثیت علم اس کی حیثیت مسلم ہے البتہ اس کے برتر و کم تر، مفید و ضرر رساں ہونے میں کلام ہو سکتا ہے۔ سحر و طلسمات (Magic and Wonderland) یقیناً علوم ہیں مگر شریعت اسلامی نے ان کی مضرت کے پیش نظر انہیں حرام قرار دیا ہے۔ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ اور علامہ ابن خلدون نے اس موضوع پر مفصل بحث کی ہے۔

اسی طرح اسلام علوم کی طبقات بندی (Communities) کا قائل ہے بعض علوم فرض عین اور بعض فرض کفایہ ہیں بعض مقصدی علوم (Purpose Studies) ہیں اور بعض آلاتی علوم (Instrumental studies)۔ اسی طرح بعض یقینی علوم (Sure knowledge) ہیں اور بعض ظنی علوم (imaginary Knowledge)۔ بعض مسلمان سکالرز (Scholars) جائزعلوم کو بھی "کج فطرت" (Evil Nature) اور "بد گوہر" (Bad Impression) بتلاتے ہیں۔ طبیعات (Physics) نہایت مفید علم ہے مگر جب وہ فطرت کو فاطر کا درجہ دے دیتا ہے اور حقیقی فاطر کا انکار کر دیتا ہے تو قرآن پوائنٹ آف آرڈر کر دیتا ہے۔ اقتصادیات (Economics) کا علم بڑا مبارک علم ہے مگر جب وہ فی سبیل اللہ خرچ کو غیر اقتصادی فعل قرار دے اور سود کو بار آور معاشی حل کہہ دے تو اینٹی اسلام کہلاتا ہے۔ مگر یاد رہے حلال علوم کا صرف وہی حصہ مردود ہے جو اسلام کی واضح تعلیمات سے ٹکرا جائے۔ باقی سب کچھ جائز بلکہ انتہائی ضروری ہے اور وہ اسی طرح مقدس اور لائق احترام ہے کہ جس طرح دینی علم۔ دنیوی علم کی حیثیت تمام ترقیوں کے باوجود ظنی ہے یقین اور حتمی یقین کا درجہ اس کے مقدر میں نہیں۔

"قرآن اصولی طور پر یقین کو ظن پر ترجیح دیتا ہے۔ گمان کبھی بھی حق کا بدل نہیں بن سکتا اور نہ ہی وہ حق کا کچھ بگاڑ سکتا ہے۔"

یقین کے تین درجے ہیں۔

۱۔ علم الیقین

۲۔ عین الیقین

۳۔ حق الیقین

مگر ماورائی امور کی خبر علم الیقین کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ قرآن و حدیث یقینی علم کا ذریعہ ہیں۔ علم و عمل لازم و ملزوم

ہیں۔ یہ دو ایسی عظیم الشان حقیقتیں ہیں جو ہمالا سے بلند و بالا اور سمندر سے زیادہ وسیع و عمیق ہیں۔ اسلام کے تصور میں عمل از خود داخل ہے۔ علم و عمل کی تفریق کافرانہ طرز عمل ہے۔ قرآن قول و فعل کی ہم آہنگی پر زور دیتا ہے اور اس کی جدائی کو مذموم ٹھراتا ہے۔

" يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۞ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۞ "[۳]

یعنی اے ایمان والوں تم ایسی باتیں کیوں کرتے ہو جن پر خود عمل نہیں کرتے اور اللہ کو اس بات پر بے حد غصہ آتا ہے کہ تم جو کہو اس پر خود عمل نہ کرو۔

بقول اقبال "علم اس وقت کمال کو پہنچتا ہے جب وہ خرافروزیوں کے ساتھ ساتھ دل سوزیوں کا بھی آئینہ دار ہو آدمی محض اصول و قوانین کا ہی علم نہ رکھتا ہو بلکہ انسانوں پر بھی اسے لاگو کرتے ہوئے احساسات کا بھی خیال رکھے۔ صورت حال کو نہ صرف عقلی لحاظ سے سمجھے بلکہ قلبی طور پر اس کی اندرونی سوزش میں بھی شریک ہو۔ ایک مسلم کا علم سوز دل سے ہی تکمیل پاتا ہے "[۴]

دماغ سے نکل کر زبان پر آنے والا مگر عمل سے محروم علم اطلاع سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ بقول النقیب العطاس:

" یورپ ایمان کے لفظ سے بدکتا ہے۔ اسلام میں ایمان و یقین کو بہت بڑا درجہ حاصل ہے لہذا اسلامی علم ایمان و اعتقاد کو شامل کرتا ہے۔ یہی اس کا طرہ امتیاز ہے۔ بے شک ایمانیات کا علم نہایت مقتدر علم ہے بلکہ یہی اسلامی علم کی اساس ہے قرآن کی ہر آیت دعوت ایمان ہے اور قرآن ہی سب سے برتر علم ہے اور ایسا کیوں نہ ہو کہ جب قرآن کا نزول علم خداوندی سے ہوا ہو "[۵]

بقول نیلر: "علم میں اتھارٹی کا تصور مسلم ہے۔ ماہرانہ علم بطور علمی قسم قابل اعتماد تصور کیا جاتا ہے۔ "[۶]

اسلام میں سب سے اعلیٰ علمی اتھارٹی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے وہ علیم و خبیر ہے جب کہ ماہر علم محض عالم و خابر کی حیثیت رکھتا ہے اور ہر عالم پر ایک عالم حاوی ہوتا ہے۔

" وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ۞ "[۷]

یعنی ہر علم والے پر ایک علم والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بعد نبی اکرم ﷺ تمام انسانوں میں علم و فضل میں سب سے بڑھ کر ہیں کیونکہ انسان فیضان الٰہی سے براہ راست مستفید ہوتا ہے۔ بقول ابن خلدون:

" صاحب شرع کے مآخذ علمی نہایت وسیع ہیں لہذا ماہرین علوم کا فرض ہے کہ ان دونوں ہستیوں کی علمی اتھارٹی کو صدق دل سے قبول کریں اور ان کے بیان کردہ حقائق و تعبیرات کو ذاتی حقائق و مفاہیم پر ترجیح دیں ایسا نہ کرنا عمل

کی روسے صریحاً جہالت اور اخلاق کی روسے انتہائی درجے کی بے ادبی ہے۔ "[۸]

مزید ہم ماہرین تعلیم کی رائے کی روشنی میں تجزیہ کرتے ہیں۔ بقول العطاس: "علم کی نوعیت کے بارے میں آخری نقطہ یہ ہے کہ علم نہ مکمل غیر جانبدار ہوتا ہے اور نہ مکمل معروضی"۔ وہ وقت کے دھارے میں غسل کر کے ہی آگے پہنچتا ہے اور کسی نہ کسی تہذیب و ثقافت کا رنگ لئے ہوئے ہوتا ہے۔ یورپی علم پر یورپی تہذیب کی چھاپ ہے کیونکہ وہ اسی تہذیب میں پیدا ہوتا ہے اور پروان چڑھتا ہے اور اسی آداب واطوار کو شعوری اور لاشعوری طور پر اپنا لیتا ہے لہٰذا مسلمان طالب علم پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ دیکھے کہ علم کس سمت سے آرہا ہے اور کس رنگ کا نمائندہ ہے علمی تصور کی قدر وقیمت لگاتے وقت ایسا کرنا نہایت ضروری ہے۔[۹]

علم کی تعریف بقول محمد قطب: "ہر علم داخل ہے سب دینی و دنیاوی علوم و علمی اعتبار سے حق ہے۔ البتہ ان میں فرق مراتب ضرور پایا جاتا ہے اور ان کے رفع وضرر میں کلام ہوسکتا ہے"۔[۱۰]

المختصر! یہ کہ تمام علوم وفنون علم ہی کے برگ وبار ہیں اور ان سے انسانیت کی بھلائی اور رہنمائی کا کام لیا جاسکتا ہے اور ان تمام علوم وفنون کی روشنی میں دنیاوی تقاضوں کو پورا کر کے مزید ترقی کے دروازوں کو کھولا جاسکتا ہے۔

علم کی اہمیت: (Importance of Knowledge)

تہذیب وتمدن کے مراحل علم سے ہی روشن ہوجاتے ہیں ان میں ہی ان کی رفعت کا راز ممکن ہے۔ یورپی تہذیب کا غلبہ علم وفن کا ہی مرہون منت ہے۔

اسلام نے علم کو بے پناہ اہمیت دی ہے۔ بقول پروفیسر محمد سلیم: "مغرب میں تحصیل علم لازمہ حیات اور اسلام میں اساس حیات ہے۔ قرآن میں اس کی اہمیت کا حال یہ ہے کہ لفظ علم مختلف اشتقاقی صورتوں میں ۷۷۸ مرتبہ وارد ہوا ہے اور اس کی تحصیل پر انسانوں کو بار بار ابھارا گیا ہے علمی فضیلت کی بنیاد پر حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر برتری حاصل ہوئی اور خلافت ارضی ملی۔"[۱۱]

خود اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر اپنی ذات اور فرشتوں کے ساتھ ساتھ منصف مزاج اہل علم کو بھی گواہ ٹھہرایا اور یہ نہایت غور طلب بات ہے:

" شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ " [۱۲]

اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ ایک ہے مگر اس کے فرشتے اور اہل علم لوگ انصاف پر قائم رہنے والے ہیں۔

" اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا " [۱۳]

دراصل بندوں میں علماء ہی خدا کے مزاج دان ہوتے ہیں اور انہی کے دل خدا کے خوف سے تھر تھرا اٹھتے ہیں۔

مگر سب علماء یکساں ہیں ان کے مختلف درجات و مراتب ہیں جن کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

"یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ" [۱۴]

علم ہی حق و باطل کا معیار اور وہی ہدایت و ضلالت کی کسوٹی ہے اس لئے جناب رسالت مآب ﷺ کو حکم ہوا کہ جس چیز کا علم نہ ہو اس کی پیروی مت کیجئے گویا صحیح علم و اطلاع کے بغیر قدم نہ بڑھایئے :

" وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ " [۱۵]

نہ یقین کریں ایسی بات کا جس کا علم نہ ہو۔

قرآن کے بعد احادیثِ رسولِ مقبول ﷺ علم کی شان میں کثرت سے وارد ہوئی ہیں:

"طَلَبُ العِلمِ فَرِيضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسلِمٍ" [۱۶]

آپ نے حصول علم کے بارے میں اسلامی روایات کی عظیم الشان اور حقیقت پسندانہ کیفیت کا مطالعہ کیا ہے۔ اب ذرائع علم کے حوالے سے جائزہ لیں گے۔

ذرائع علم : (Sources of Knowledge)

علم کے حاصل کرنے کے متعدد ذرائع ہیں۔ اسلام ان تمام ذرائع اور ان ذرائع سے حاصل شدہ علم کو بحیثیت علم تسلیم کرتا ہے۔ علم کے معروف ذرائع حواس، عقل، وجدان، وحی و الہام اور تاریخی روایات ہیں اور ان سب کی حیثیت مسلم و معتبر ہے۔

صورت حال یہ ہے کہ اسلام مختلف علمی منابع کی حد بندیوں اور ان کے مراتب و مدارج کا اعتراف کرتا ہے۔ وہ ان کی قدر و قیمت ان ذرائع کی نوعیت، مزاج اور ان کی فطری صلاحیتوں کے حوالے سے متعین کرتا ہے۔ اس بارے میں ان کا رویہ بالکل سائنٹیفک اور حقیقت پسندانہ ہے۔ جہاں حسی علم کا تعلق ہے حواس کو اہمیت دی جاتی ہے۔ جہاں عقل و قیاس کا واسطہ ہے دلائل و براہین کا تقاضا کیا جاتا ہے۔ جہاں تاریخ و روایت سے کام چل سکتا ہے نقلی علم سے استشہاد کرنے پر ابھارا جاتا ہے:

" فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ " [۱۷]

"اگر تمہیں خبر نہ ہو تو اہل ذکر سے پوچھ لیجئے"۔

جہاں سب انسانی ذرائع علمی جواب دے جائیں اور یقینی جواب نہ دے پائیں تو اسلام اعلانیہ طور پر الہامی علم کو بیان کرتا ہے۔ یہی آخری علم ہر لحاظ سے اعلیٰ اور یقینی ہے مگر اس کی اکملیت اور حتمیت سے دوسری علمی اقسام کے نمو اور استعمال پر کوئی آنچ نہیں آتی البتہ ان کی تصحیح و ترمیم کا عمل شروع ہو سکتا ہے گویا وحی و الہام دیگر علمی ذرائع کیلئے

پرکھنے کا ایک معیار ہیں اور ان میں موجود علمی خلاؤں کو پر کرنے اور ان کی کجرویوں کو درست کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ یہ تو دنیوی علوم کی سوشل سروس ہوئی اس سے دنیوی علوم کی نفی کیسے ثابت ہو سکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی ساری علمی روایت قرون اولیٰ سے لے کر آج تک معروف ذرائع علم کی نہ صرف معترف بلکہ قائل (Convincing) اور مؤید (Promoter) ہے۔

اب ذیل میں تین اہم اقسام کی درجہ بندی پیش کی جائے گی۔

۱۔حسی　　۲۔فکری　　۳۔الہامی

حقیقت یہ ہے کہ یہ تینوں اقسام آپس میں حیاتیاتی طور پر باہم متصل و مربوط (Connect) ہیں اور ان میں باہم کسی قسم کا تضاد نہیں۔ ابو الکلام نے کیا خوب لکھا ہے کہ: "یہ تینوں ایک دوسرے کی خدمت، تواضع اور تکمیل کرتی ہیں ۔ ان میں کوئی فطری دشمنی نہیں ہاں ہر قسم کا مخصوص دائرہ عمل ہے جو اسے دیگر دائروں سے ممیز (Distinguished) کرتا ہے بہر حال ان کی آپس کی تعلق داری دوستانہ رویہ کی غماز (Represent) ہے نہ کہ مخالفانہ طرز عمل کی۔ جیسا کہ غلطی سے یورپ امریکہ میں سمجھا جاتا ہے۔ اسلام کا حسی علم نہایت ہی مفید اور معتبر ہے یہی حال عقلی و فکری علم کا ہے مگر ایسے امور پیش آجاتے ہیں کہ یہ دونوں ان کی گتھیاں (Complications) سلجھانے سے قاصر رہ جاتے ہیں۔ اب یہاں وحی یا الہام مدد کیلئے آگے بڑھتے ہیں اور ہمیں صراط مستقیم پر لگا کر منزل مقصود تک پہنچا دیتے ہیں۔ گویا جہاں فکر و حس کے پر جلتے ہیں وہاں وحی و الہام محو پرواز ہو جاتے ہیں۔"[۱۸]

حسی علم : (Sensory Knowledge)

تجربی اور تجرباتی عمل ایک زندہ حقیقت ہے۔ اسلام اس علم کا قائل اور علمبردار ہے بقول ڈاکٹر اقبال: "اسلام کا یوم پیدائش فکر استقرائی(Inductive Views) کا یوم ولادت ہے۔ حقیقت اگر جانیئے تو اندلس کے عربوں نے ہی جدید سائنس کی بنیاد رکھی تھی۔ سائنسی منہاج انہی کی کوششوں کا رہون منت ہے۔ فرانسیسی محقق رابرٹ بریفو کی یہی تحقیق ہے جس کا اب یورپ معترف ہو چلا ہے۔ حسی علم حواس خمسہ کی تخلیق ہے اور حواس عطیہ ربانی ہیں۔ اس عطیہ کا شکرانہ فرض ہے اور انہیں صحیح سمت میں استعمال کیا جائے۔ ان کے استعمال کے مطابق باقاعدہ رب کے ہاں بازپرس (Questioned) ہوگی۔"[۱۹]

مزید قرآن مجید کا فرمان ملاحظہ فرمایئے کہ:

اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۶﴾[۲۰]

یعنی بے شک سماعت و بصارت اور دل کی تمام کیفیات کا مؤاخذہ (قیامت میں) ہو گا۔

قرآن بار بار مشاہدہ و فطرت کی دعوت دیتا ہے۔ جیسا کہ یہاں ملاحظہ کیجئے کہ:

" اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۞ وَ اِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۞ وَ اِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۞ وَ اِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ۞"[۲۱]

کیا یہ لوگ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے تخلیق کیے گئے ہیں؟ آسمان کو نہیں دیکھتے کہ کیسے اٹھایا گیا؟ پہاڑوں پر نظر نہیں رکھتے کہ کیسے نصب کر دیئے گئے؟ اور زمین کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بچھا دی گئی؟

ڈاکٹر مشتاق احمد گوراہا "مشاہد فطرت" کے مطالعہ کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: "قرآن کی ۶۶۶۶ آیات میں ۷۵۶ آیات مشاہدہ فطرت سے متعلق ہیں۔ گویا ۹/۱ حصہ کتاب فطرت سے متعلق ہے۔ مظاہر فطرت سے آنکھیں پھیر لینا اور ان کی تعبیر میں غفلت برتنا یہ سب باتیں قابل مؤاخذہ ہیں اگر ماہرین آثار قدیمہ تاریخی کھنڈرات کی زیارت سے محض سیر و تفریح کا کام لیں اور ان سے اعلیٰ سبق حاصل نہ کریں تو قرآن اس علمی روش کا سخت نوٹس لیتا ہے وہ مشاہدے کو زیادہ بامعنی اور بامقصد بنانا چاہتا ہے اور اور اسے نچلی سطح پر جوں کا توں رکھنے کا قائل نہیں۔ یہ ہے حسی علم کے بارے میں اسلام کا رویہ۔"[۲۲]

اسی کیفیت کی تشریح کرتے ہوئے نیلر کہتا ہے کہ: "حسی علم کا پیراڈائم جدید سائنس ہے۔ سائنسی مفروضات کا مشاہدے یا تجربے کے ذریعہ تائید یا تردید کی جاتی ہے۔ کسی بھی مفروضے کا کامل رد و قبول ممکن نہیں کچھ نہ کچھ کمی ضرور رہ جاتی ہے اس لئے قطعیت کی بجائے اغلبیت (Domination) یا امکانیت (Feasibility) کے حوالے سے بات کی جاتی ہے وجہ یہ ہے کہ کبھی بھی یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ مستقبل ماضی سے مکمل مطابقت رکھے گا اور جس طرح ایک صورت حال پہلے پیش آچکی ہے بعینہ وہی مستقبل میں بھی اسی انداز میں پیش آسکتی ہے۔[۲۳]

اور مزید تشریح کرتے ہوئے ڈاکٹر مشتاق لکھتے ہیں کہ: "حسیات کبھی بھی دھوکہ دے جاتی ہیں مگر اس سے ان کی افادیت اور اہمیت پر حرف نہیں آتا۔ ہاں یہ دعویٰ کہ ساری حقیقت صرف محسوسات تک محدود ہے اور ماورائے محسوسات سب فریب ہے از روئے اسلام غلط اور خطرناک تصور ہے یہ خلاف حقیقت بھی ہے اور غیر مکتفی (Non-contained) بھی۔ دور جدید میں فلسفہ وجودیت اس نقطۂ نظر کے خلاف پر زور صدائے احتجاج ہے۔[۲۴]

سائنسی تجربہ حق ہے مگر سائنسی حقیقت یا سائنسی فلسفہ سالم حق کا ترجمان نہیں ہوا کرتا یہی وجہ ہے اس حوالے سے ڈاکٹر عبد اللہ لکھتے ہیں کہ: "سائنسی امر واقعہ اور سائنسی حقیقت کے درمیان حد امتیاز کھینچنے پر اصرار کرتے ہیں۔

اعداد و شمار اور حقائق خود نہیں بولتے سائنس دان ان کی زبان بن جاتے ہیں۔ سائنس سے پیدا شدہ فلسفہ چونکہ عقلی تفکر (Mind Thinking) پر مبنی ہوتا ہے اور عقلی تفکر ہمیشہ حق کا ترجمان نہیں ہوتا۔ اس لئے سائنسی تجربے کو بر حق ماننے کے باوجود سائنسی فلسفہ کو نقد و جرح کے بغیر قبول نہیں کرنا چاہئے اور جب قبول کیا جائے تو اسے محض ثانوی حیثیت دی جائے کیونکہ سائنسی نظریات برابر تغیر پذیر رہتے ہیں اور سائنسی حقیقت ابھی زیر تکمیل ہے"۔[۲۵] اسی قسم کی باتیں مفصل انداز میں جدید سائنس کے مشہور نقاد جوڑ (۱۹۳۳) نے کی ہیں تو ثابت یہ ہوا کہ سائنسی علم نہایت مفید اور کار آمد شے ہے مگر سائنسی نظریات حرف آخر نہیں ان کے ردو قبول میں احتیاط لازمی ہے۔

حسی و تجربی علم زندگی کا شدید تقاضا ہیں ان کے بغیر کاروبار حیات چل ہی نہیں سکتا اور مادی ترقی اور بہبود کا زیادہ تر دارومدار انہی علم پر ہے۔ تسخیر کائنات (Invincible Universe) کا سارا ڈرامہ اسی کے بل بوتے پر کھیلا جارہا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے کارنامے زبان زد عام ہیں۔ ان کی عظمت میں دن بدن تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے اور مستقبل میں عظیم الشان امکانات موجود ہیں۔ اتنے مفید اور بار آور علم کو اسلام کیسے نظر انداز کر سکتا ہے اور جس علم پر خود خدا کا دست شفقت ہو اسے اللہ کا رسول اور مومنین کیسے پس پشت ڈال سکتے ہیں۔ حضور ﷺ نے تجربی علم کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ مدینے کی کھجوروں کے پھل پھول بڑھانے والے تجربات کی آپ نے توثیق فرمائی اور ساتھ ساتھ تجربی اور الہامی علم کا فرق بھی جتلا دیا۔ اسی طرح ٹیکنالوجی میں آپ ﷺ نے خاصی دل چسپی لی۔ ہم عصر بہتر جنگی ٹیکنالوجی سیکھنے کیلئے آپ ﷺ نے صحابہ کرام کی جماعت کو جرش کی طرف روانہ فرمایا۔ حضرت امیر معاویہ نے بحری بیڑا تیار کرایا۔ عباسیوں اور اندلسیوں کے سائنسی و فنی کارنامے ساری دنیا سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ "[۲۶]

المختصر! حسی علم کو حتمی قطعیت حاصل نہیں ہوگی۔ ان کا گہرا مشاہدہ اور مطالعہ کر کے ان کی حقانیت اور قطعیت کے بارے میں کچھ کہا جا سکتا ہے۔ ان کے معیارات کو الہامی علوم کی روشنی میں بھی مطالعہ کیا جانا نہایت طور پر مطلوب ہے۔

فکری علم :(Intellectual Knowledge)

اس کی تشریح میں رسل لکھتا ہے کہ: " اسے قیاسی یا برھانی (Speculative or above all of them) علم بھی کہا جا سکتا ہے۔ یہ علم تفکر، دلیل اور برہان کی پیداوار ہے۔ اس میں حسیات کا دخل نہیں۔ منطق و فلسفہ فکری علم کے نمونے ہیں جہاں حسیات کی حدود ختم ہوتی ہیں وہیں سے فکر و فلسفہ شروع ہو جاتے ہیں۔ قیاسی علم کے اصول حسی تجربات پر منطبق (Apply) تو کئے جا سکتے ہیں مگر ان سے مستخرج (Tributes) نہیں کیے جا

سکتے۔ قیاسی صداقتیں عالمگیر اور نہایت عمومی ہوتی ہیں۔ افلاطون کے نزدیک صرف یہی علم صحیح معنوں میں سچا ہے ۔ رہا حسی و تجربی علم تو اس کی حیثیت تو محض رائے کی ہے جو سدا تغیر پذیر ہے گویا سچا علم دائمی اور غیر متغیر ہے مگر یہ مثالیت پسندوں کا نقطہ نظر ہے۔ دیگر فلسفیات مکاتب فکر اس بارے میں مختلف رائے رکھتے ہیں۔ [۲۷]

بقول ڈاکٹر مشتاق: "فکری علم خالصتاً غور و فکر کا نتیجہ ہے، عقل کی حیثیت مسلم ہے یہی حقائق محسوس کو معنی پہناتی ہے اور خزف ریزوں (Disposal sweeps) کو جوڑ کر موتی محل تیار کر دیتی ہے۔ قرآن مجید عقل و شعور اور فکر و خیال کو ابھارنے اور پروان چڑھانے کا قائل ہے وہ اپنی تعلیمات کیلئے اپنی قوتوں کا اکثر سہارا لیتا ہے۔ قرآن مجید پہلو بدل بدل کر تدبر، تعقل، تفکر اور فہم و شعور کی دعوت دیتا ہے اور بعض مسائل کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ حسی علم بالکل آؤٹ ہو جاتا ہے۔ صرف عقل اور فکر کے ذریعے ہی ان گتھیوں کو سلجھایا جا سکتا ہے مثلاً تعلیمی، اخلاقی، سیاسی اور فلسفیانہ مسائل۔ یہاں تجریدی فکر کی پھلجھڑیاں (Sparkles) چھوٹنے لگتی ہیں۔ یہاں حق کا معیار صرف عقل سمجھی جاتی ہے جسے حسی اور الہامی علم سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ عقل کا خیال ہے کہ وہ خود مکتفی (Contained) ہے۔ [۲۸]

فکری علم لا محدود نہیں ہے۔ یہ شک سے شروع ہوتا ہے اور عموماً ظن و تخمین اور شک پر ہی ختم ہو جاتا ہے اور ظن صداقت کا بدل نہیں بن سکتا اور نہ ہی حقیقت حال کا کچھ بگاڑ سکتا ہے۔ از روئے قرآن مجید:

"وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـــًٔا ۝۲۸" [۲۹]

"یہ نہیں پیروی کرتے مگر گمان کی اور گمان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے"

یقین اور حضور قلب عقل کی قسمت میں نہیں یہ کسی اور کا حصہ ہے۔ جس طرح بعض مسائل کے حل میں حسی علم بے بس ہے اسی طرح عقل بھی بہت سے مسائل کا حل پیش نہیں کر سکی۔ ماورائی مسائل میں سوائے مذاق کے اس سے اور کچھ نہیں۔ بقول ابن خلدون: "عقل جو کہ مثل سنار کے ترازو کے ہے وہ کیونکر پہاڑ تول سکتی ہے اور لطف یہ کہ فلسفی آج تک فکری ناپ تول کے پیمانوں پر متفق بھی نہیں ہو سکے۔ زندگی کے بنیادی مسائل کے بارے میں ان میں آج تک شدید اختلاف چلے آرہے ہیں" [۳۰]

بروبا کرنے اپنی مشہور کتاب " Modern Philosophies of Education " میں اس بات کا رونا رویا ہے:

"عقل کی تمام کوتاہیوں کے باوجود اسلام عقل کو اس کا جائز مقام عطا کرتا ہے۔ اپنے دائرے میں عقل آزاد ہے مگر اسے دوسرے دائروں سے رابطہ رکھنے کی تلقین بھی کی جاتی ہے۔ تلقین نہیں بلکہ اسے اطاعت کا بھی حکم ہے۔ اللہ

اور اس کے رسول اکرم ﷺ کے حکم کے آگے عقل کو سر تسلیم خم کرنے کو کہا گیا ہے۔ خدا، نبوت، آخرت، جزا و سزا اور خیر و شر کی حقیقت بجز وحی والہام ممکن ہی نہیں۔ اسلام عقل کو وحی کے تابع رکھنا چاہتا ہے اور اس کی مکمل خود مختاری کو تسلیم نہیں کرتا۔ بہر حال خدا اور رسول اکرم ﷺ کی دانش و عقل کو انسانی عقل پر فوقیت حاصل ہے"[۳۱]

المختصر! اسلام کا عقل کے بارے میں یہ رویہ بالکل حقیقت پر مبنی ہے۔ عقول میں بھی فرق مراتب ہے۔ نبی ﷺ کی عقل انسانوں کی عقل سے برتر و اکمل ہے اور اس کو ہی خزانہ غیب سے استفادہ حاصل ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید نے بڑے واضح الفاظ میں اس کی یہ تشریح کی ہے۔ سورۃ الجن میں اس کا تذکرہ ہے جس سے ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ عقلی علوم بھی محدود ہیں:

"عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ"[۳۲]

"کوئی بھی غیب پر مطلع نہیں ہو سکتا مگر جس (رسول ﷺ) کو اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے یہ علم دے دے"۔

وحی والہام : (Revelation and Inspiration)

اب ہم وحی والہام کے حوالے سے جائزہ لیتے ہیں۔ حسیات مادیات تک محدود ہیں آگے انہیں کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ یہیں سے فکریات کا مرحلہ آگے جاتا ہے اور وہ ماورائے محسوسات کو عقل و ذہن کی برقی لہروں سے چھونے کی کوشش کرتی ہیں مگر یہ ظنیات سے زیادہ درجہ نہیں رکھتیں۔ جہاں فکریات تھک ہار کر بیٹھ جائیں اور حیرت زدہ ہو کر رہ جائیں وہیں سے نبویات یعنی وحی والہام کا علم شروع ہو جاتا ہے۔ جس حقیقت کے متعلق فلسفی عقلی اندازے لگاتا رہتا ہے۔ اسے اللہ کا نبی یقین کی آنکھ سے دیکھ لیتا ہے۔ گویا نبی حقیقت بلکہ حقیقت الحقیقت علم الیقین کی آنکھ سے نظارہ کر لیتا ہے۔ حقیقت کے نظارہ کی تڑپ نبی میں موجزن رہتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ:

"اے اللہ مجھے اشیاء کی حقیقت کا نظارہ کرا دے"

کیا اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ نبوی علم سائنس اور فلسفیانہ علم سے کوئی تعلق نہیں اور یہ کہ وہ ان سے فائق و برتر نہیں۔ اس حوالے سے ڈاکٹر مشتاق گوراہا کا یہ شذرہ ملاحظہ کیجئے: "نبوی علم عقلی طور پر استشہاد کیا جا سکتا ہے۔ بو علی سینا، غزالی اور دیگر مسلمان حکماء نے اس موضوع پر بہت کچھ لکھا ہے۔ بات یہ ہے کہ کائنات میں علم اور تعقل نے پستی سے بلندی کی طرف رفتہ رفتہ ترقی کی ہے۔ انسان میں وہ دماغی اور ذہنی قویٰ ہیں جو حیوانات میں نہیں۔ اسی طرح انبیاء میں علم و تعقل کی ایک ایسی قوت موجود ہے جو عام انسانوں میں نہیں ہوتی۔ اسے ملکہ نبوت یا وحی کہتے ہیں یہی

ملکہ غیبیات(Supernatural) پر اطلاع پالیتا ہے۔ یہ علام الغیوب کا خاص عطا کردہ علم ہے جو منتخب ہستیوں "پیغمبروں" کو عطا کیا جاتا ہے یہ براہ راست اللہ کی طرف سے آتا ہے اور دنیاوی وسائک کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اسے وحی و الہام کہتے ہیں۔ وحی سے مراد اللہ کا اپنے دلی منشاء سے اپنے منتخب بندوں (انبیاء ورسل) کو کسی غیبی ذریعہ سے مطلع کرنا۔ یہ اطلاع روحانی ذریعوں کی آخری سرحد ہے۔ الہام سے مراد ایسا علم ہے جو بغیر کدوکاوش دل میں آجاتا ہے۔ الہام پیغمبر کے علاوہ شعراء، ادباء اور موجدین کو بھی حاصل ہو جاتا ہے"۔ ۳۳

درجہ کے لحاظ سے بلند مرتبہ اور زیادہ یقینی روحانی علم وحی ہے پھر الہام اور پھر کشف وحی کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ اشارے سے بات کرنا۔

۲۔ پردے کے پیچھے سے ہمکلام ہونا۔

۳۔ فرشتے کے ذریعے کلام کرنا۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے:

" وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ " ۳۴

" اور کسی آدمی کو تاب نہیں کہ کلام کرے اللہ تعالیٰ سے لیکن اشارے سے یا پردے کے پیچھے سے یا کسی قاصد کو بھیجے تو وہ اللہ کے حکم سے اللہ جو چاہے اس کو وحی کرتا ہے"۔

اللہ کا نبی اپنی مرضی سے کوئی بات نہیں کرتا وہ لوگوں سے وہی کچھ کہتا ہے جو اللہ تعالیٰ اس سے کہلوانا چاہتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے کہ:

" وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ " ۳۵

"وہ خود سے کچھ نہیں کہتے مگر جو انہیں وحی کے ذریعے کہا گیا ہو۔"

اس کی تشریح کے حوالے سے ڈاکٹر مشتاق گوراہا کا یہ شذرہ ملاحظہ ہو کہ: " وحی و الہامی علم انسان کیلئے اسی طرح ضروری ہے جس طرح حسی اور فکری علم۔ دراصل یہ علم انسان کی باطنی زندگی کا شدید تقاضا ہے۔ غالباً اسی لئے اقبال اسے باطنی تجربہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ بہر حال زندگی کے نہایت بنیادی مسائل ایسے ہیں جو حس و فکر کی قوتوں سے مؤثر طور پر یقین و اعتماد کے ساتھ نہیں سلجھائے جاسکتے۔ ان کے حل کیلئے نبوی علم کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ عمل کیلئے یقین، جذبہ اور ذاتی مثال کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ نبوی علم جذبہ و یقین بھی مہیا کرتا ہے اور ذاتی نمونہ بھی پیش کرتا ہے اور پھر ایسے مسائل کے بارے میں جہاں عقل حیران و پریشان رہ جاتی ہے اور یقینی بات کرنے سے قاصر ہے مثلاً حیات و کائنات کی پیدائش، خالق کائنات کی ذات وصفات، حیات بعد الممات، جزاء و سزا، خیر و شر، جبر و

اختیار، ہستی و نیستی، روح و بدن، پھر کتنے اقتصادی و معاشرتی، اخلاقی و سیاسی اور روحانی مسائل ہیں جو نبوی علم کے بغیر مؤثر طور پر حاصل ہو ہی نہیں سکتے۔ بیسویں صدی کی مہذب دنیا تا حال نسلی تعصب کو ختم کرنے کا نسخہ نہیں ڈھونڈ سکی۔ یونیسکو کی تحقیقات اپنے عجز و ناکامی کا کھلا اعتراف کر رہی ہے یہ اُمی کی زبان نبوت کا کرشمہ ہے کہ ایک ہی حکم میں عرب و عجم کے صدیوں کے پختہ تعصبات کو بھسم کر ڈالا۔ اخوت، مساوات، عدل و انصاف، رواداری، محبت، انسانیت نوازی غرضیکہ کتنے اعلیٰ اوصاف ہیں جن میں کوئی فلسفی اور سائنسدان نبی کا ہمسر نہیں ہو سکتا۔ سچ بات ہے نبی سے بڑھ کر انسانیت کی خدمت کرنے والا اور کوئی نہیں۔ بھلا جو بندے اور اللہ تعالیٰ میں ربط پیدا کر دے اس سے بڑھ کر کوئی انسانوں کا محسن ہو سکتا ہے۔۔۔۔؟" [۳۶]

وحی کا علم بہر حال انسانی استعداد سے نہایت جداگانہ اور ممتاز کیفیت کا حامل ہے۔ اس بارے میں ڈاکٹر برہان احمد فاروقی نے دونوں کے فرق و امتیاز کو بالکل روشن کر دیا ہے۔ یہی امتیاز ہی علم بالوحی کی ضرورت کی دلیل بن جاتا ہے۔ حسب ذیل نکات غور طلب ہیں:

۱۔ علم بالوحی (Knowledge of Inspiration) کا امکان خطاء اور عدم تیقن کے نقص سے مبرا ہے۔ بخلاف اس کے انسانی علم میں یہ دونوں موجود رہتے ہیں۔

۲۔ علم بالوحی ہمیشہ سے کامل اور غیر متغیر ہے جب کہ انسانی علم ارتقائی منازل طے کر رہا ہے۔

۳۔ علم بالوحی کا موضوع نصب العین اور حاصل کرنے کا لائحہ عمل ہے۔ بخلاف اس کے انسانی علم کا موضوع محسوسات ہیں۔

۴۔ علم بالوحی کا اخلاق کے بارے میں یہ مسئلہ ہے کہ زندگی کو اخلاقی فضائل کے نمونہ کمال سے مطابق کس طرح ڈھالا جائے۔ جب کہ انسانی علم اخلاق ابھی تک اس بارے میں گرفتار ہے کہ فضائل اخلاق کیا ہیں ان کا معیار کیا ہے اور ان کی فکری اساس کیا ہو سکتی ہے۔

۵۔ علم بالوحی کا معاشی مسئلہ یہ ہے کہ عادلانہ معاشی نظام کس طرح قائم کیا جائے اور معاشی جدوجہد میں تعطل کو کیسے دور کیا جائے۔ اس کے بخلاف انسانی معاشیات اس پر پیچ و تاب کھاتی ہے کہ تخلیق دولت کا نظام کیا ہے؟ اسے معاشی عدل سے کوئی غرض نہیں۔

۶۔ علم بالوحی کی رو سے تاریخ کا مسئلہ یہ ہے کہ قوموں کی تجدید نو (Revival) کیسے کی جائے جب کہ انسانی علم قوموں کے عروج و زوال کے اسباب ڈھونڈنے میں سرگرداں ہے۔ [۳۷]

نتیجہ البحث:

المختصر! علم بالوحی اور انسانی علم زندگی کے دیگر شعبوں میں اس طرح متوازی خطوط کار فرماہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ وحی کا کردار انقلابی اور تخلیقی ہے جب کہ اس کے "علی الرغم" انسانی علم مشاہدہ و تخلیق پر مرکوز رہتا ہے اور عمل کی تیزی اور وسعت میں بے حد کوتاہ رہ جاتا ہے۔ یہ ہے؛ دونوں قسم کے علوم کی اپروچ۔ رہی ان پر عمل درآمد تو پیغمبر کے مقابل میں سائنسدان، فلسفی احاطہ عمل، طریق کار، شخصی مثال اور نصب العینیہ تڑپ کے باب میں کس قدر کمزور وناتواں واقع ہوئے ہیں۔ علم کی نوعیت اور کیفیت کے حوالے سے جس قدر بھی بحث کی گئی ہے اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ علم یقینی وہی ہے جسے بالوحی، الہام اور القاء اتارا گیا ہے۔ مزید جتنے بھی علوم ہیں وہ انہی کی روشنی میں دیکھے اور پرکھے جاسکتے ہیں جو علوم دینی علوم کے تحت ہیں وہ ان کے ترجمان ہیں اور جو ان کی حمایت میں نہیں ہیں انہیں تقاضائے بشری سمجھتے ہوئے متروک کر دیناہی افضل ہو گا۔

مراجع و حواشی

[۱] اردو دائرۃ معارف اسلامیہ، ج:۱۳، دانش گاہ پنجاب ۱۹۶۷ء، ص:۴۵۱

[۲] القرآن، العلق (۹۶) : ۵

[۳] القرآن، الصف (۶۱) : ۲-۳

[۴] علامہ اقبال اور مذہبی وقوف کی علمی صورت، دوسرا خطبہ شعبہ فلسفہ، جامعہ پنجاب، لاہور ۱۹۸۰ء

[۵] All-Naquib al Attasi , Syed Muhammad, " Introduction" in Aims at Objectives of Education , Edited by S.M. AlNaquibal –Attas, Hoder and Stroghton, King Abdul Aziz University, Jeddah, ۱۹۷۹. P : ۳۴

[۶] ایضاً

[۷] القرآن، یوسف (۱۲) : ۷۶

[۸] ابن خلدون، مقدمہ، مترجم راغب رحمانی دہلوی، نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۷۰ء، ص:۱۴۵

[۹] All Naquib al-Attasi Syed Muhammad, P : ۲۰

[۱۰] قطب، محمد، اسلام کا نظام تربیت، مترجم ساجد الرحمان صدیقی، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور، ۱۹۸۰ء، ص:۲۵۲

[۱۱] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج:۱۳، دانش گاہ پنجاب ۱۹۶۷ء، ص:۴۴۷

[۱۲] القرآن، آل عمران (۳) : ۱۸

[۱۳] القرآن، الفاطر (۳۵) : ۲۸

[۱۴] القرآن، المجادلہ (۵۸) : ۱۱

[۱۵] القرآن، الاسراء (۱۷) : ۳۶

[۱۶] بخاری، محمد اسماعیل، الجامع الصحیح البخاری، قدیمی کتب خانہ کراچی، طبع ۱۹۸۰ء، ص:۲۸۵

[۱۷] القرآن، الانبیاء (۲۱) : ۷

[18] گوراہا، ڈاکٹر مشتاق، علم التعلیم، ص:۲۲

[19] Iqbal , Muhammad, The Reconstruction of Religious Thought in Islam, Sh.

[20] القرآن، الاسراء (۱۷) : ۳۶

[21] القرآن، الغاشیہ (۸۸) : ۲۰

[22] گوراہا، ڈاکٹر مشتاق، علم التعلیم، ص:۲۳

[23] Knelier, George F, New York, ۱۹۷۱, P : ۲۱

[24] گوراہا، ڈاکٹر مشتاق، علم التعلیم، ص:۲۳

[25] عبداللہ، ڈاکٹر سید، "نصابات میں نظریہ پاکستان کو کس طرح سمو دیا جائے"، نظریہ پاکستان اور نصابی کتب، پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور، ۱۹۷۱ء، ص:۱۳۷

[26] ایضاً، ص:۱۴۲

[27] Russell T. Bertrand, History of western Philosophy, George Allen and Unwin Ltd., London, ۱۹۶۱. P : ۱۳۶.

[28] گوراہا، ڈاکٹر مشتاق، علم التعلیم، ص:۲۴

[29] القرآن، النجم (۵۳) : -۲۸

[30] ابن خلدون، مقدمہ، مترجم راغب رحمانی دہلوی، ص:۲۷۰

[31] Brubacher, John. S., Modern Philosophies of Education, McGraw Hill Book Co. ۱۹۶۲, P : ۱۴۸

[32] القرآن، الجن (۵۳) : ۲۴-۲۶

[33] گوراہا، ڈاکٹر مشتاق، علم التعلیم، ص:۲۶

[34] القرآن، الشوریٰ (۴۲) : ۵۱

[35] القرآن، النجم (۴۲) : ۲۶-۲۷

[36] گوراہا، ڈاکٹر مشتاق، علم التعلیم، ص:۲۷

[37] فاروقی برھان احمد، "علامہ اقبال اور مخصوص صوفیانہ واردات" پہلا خطبہ شعبہ فلسفہ، جامعہ پنجاب لاہور، ۱۹۸۰ء، ص:۱۰-۱۲